راگنی بے وقت کی اب گائیں کیا
(حالی کی جدّت پسندی)

فرزانہ ریاض

Abstract:
Atlaf Husain Hali is a legend literary person. He is a bridge between traditional and modern literature. He expressed not only the modern sensibility but also opted the immortal aspects of tradition in his criticism and creative writings. He negated the oblique elements of conservatism and emphasised to adopt the commendable aspects of the modern literature. He has manifested this trend in his criticism as well as in his poetry. His creations (both in criticism and poetry) are an asset for the Urdu literature. This article has highlighted the same wisdom of Hali.

علی گڑھ تحریک سے وابستگی، انجمن پنجاب لاہور کے مشاعروں میں شرکت نیز غزل کی ترمیم و اصلاح کے بارے میں غالب کے خیالات جنھیں انھوں نے نثر کے علاوہ ایک شعر میں بھی پیش کیا تھا:

بہ قدر شوق نہیں ظرف تنگنائے غزل
کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے

حالی اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنے دیوان کے مقدمہ کو اصلاحِ شعر کے لیے مختص کر دیا جس کی اشاعت ۱۸۹۳ء میں عمل میں آئی۔ ''مقدمہ شعروشاعری'' نظری تنقید کی اتنی جامع اور مبسوط کتاب ہے کہ کلیم الدین احمد کو اپنی اس شدت پسندانہ رائے:

> ''حالی کے خیالات ماخوذ، واقفیت محدود، نظر سطحی، فہم و ادراک معمولی، غوروفکر ناکافی، تمیز ادنیٰ، دماغ و شخصیت اوسط، یہ تھی حالی کی کائنات۔''(۱)

کے باوجود کہنا پڑا:

> ''وہ اردو تنقید کے بانی بھی ہیں اور اس وقت تک اردو کے بہترین نقاد بھی۔''(۲)

حالی جس گھرانے میں پیدا ہوئے اس کے درو بام کو پاکیزگی، تقدس اور طہارت حاصل تھی۔ یہی پاکیزگی اور طہارت حالی کی سیرت و کردار کو ورثہ میں ملی۔ جس کی وجہ سے ان کی غزلوں میں بہکا ہوا انداز پیدا نہ ہو سکا۔ سادگی، صفائی اور صداقت جو ان کی غزلوں کی خصوصیات ہیں، اسی وصف کے تحت ہیں۔

حالی کی غزل گوئی کو مہمیز لگانے میں غالب کی ترغیب کا بھی کردار ہے جب وہ دلی کے سفر اوّلین (۱۸۵۴ء___۱۸۵۵ء) کے دوران ان سے ملے تھے تو غالب نے ان سے کہا تھا کہ:

''اگر تم شعر نہ کہو گے تو اپنی طبیعت پر ظلم کرو گے۔'' (۳)

۱۸۶۳ء میں حالی کی ملاقات نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ سے ہوئی۔ حالی کی غزل گوئی کا ذوق شیفتہ ہی کی ادبی اور علمی صحبت میں نکھرا۔ بلکہ غالب سے اتنا فائدہ نہ اٹھا سکے جتنا ان کے اپنے بقول انھیں شیفتہ سے فائدہ ہوا۔ وہ لکھتے ہیں:

''مرزا غالب کے مشورہ و اصلاح سے مجھ کو چنداں فائدہ نہیں ہوا جو شیفتہ کی صحبت سے ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شیفتہ مبالغے کو ناپسند کرتے تھے۔ اور سیدھی سادی سچی باتوں کو محض حسن بیان سے دلفریب بنانا، اسی کو منتہائے کمال شاعری سمجھتے تھے۔ چھچھورے اور بازاری الفاظ محاورات اور عامیانہ خیالات سے غالب کی طرح شیفتہ بھی متنفر تھے۔'' (۴)

یہی وہ تصورات ہیں جن کی روشنی میں حالؔی نے اپنی غزل گوئی کی بنیادوں کو استوار کیا اور ساتھ ہی ساتھ رکیک اور مبتذل خیالات کو اپنی غزل میں جگہ نہیں دی۔

''مقدمہ شعر و شاعری'' سے پہلے اردو میں تنقید پر کوئی مربوط اور مستقل کتاب نہیں ملتی ''مقدمہ شعر و شاعری'' میں تنقید کے بنیادی اصول اور شعر و شاعری کی ماہیئت پر تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے، بالکل اسی طرح جیسے کہ مغربی دنیا میں تنقید پر مفصّل اور مربوط اظہارِ خیال کے سبب ''بوطیقا'' کو اوّلین ضابطۂ تنقید اور ارسطو کو پہلا نقاد تصور کیا جاتا ہے۔ اردو زبان و ادب میں حالی کی کتاب ''مقدمہ شعر و شاعری'' (۱۸۹۳ء) کو اردو تنقید کی پہلی باضابطہ کتاب اور حالی کو اردو کا پہلا نقاد کہا جاتا ہے۔

''مقدمہ شعر و شاعری'' کو بنیادی طور پر دو حصّوں میں تقسیم کی جا سکتا ہے۔ پہلے حصّے میں بنیادی امور یعنی شعر کی ماہیئت، تاثیر، شاعری اور اخلاق وغیرہ پر گفتگو کی گئی ہے اور شاعروں نیز شاعری کے لیے شرائط وضع کی گئی ہیں۔ دوسرے حصّے میں مختلف شعری اصناف پر مبسوط بحث کر کے اصلاح کے مشورے دیے گئے ہیں۔ یہاں ہم غزل سے متعلق حصّوں کو زیرِ بحث لانے پر ہی اکتفا کریں گے۔

حالی نے زمانے اور اس کی نزاکتوں کا اندازہ قبل از وقت کر لیا تھا۔ اس لیے انھوں نے ''مقدمہ شعر و شاعری'' کے توسط سے شاعری کے مروّجہ نظام کا بغور جائزہ لیا۔ بے جا تقلید اور روایتی نظام سے انحراف کیا۔ حالی نے غزل پر جو اعتراضات کیے اس سے عموماً یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ وہ غزل کے مخالف تھے۔ جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ حالی کے پیشِ نظر غزل کی اصلاح تھی۔ وہ غزل کو نئے حالات کے تقاضوں کے مطابق ڈھالنا چاہتے

تھے۔ وہ اس کو وسعت اور ترقی دے کر اس کے معیار کو بلند کرنا چاہتے تھے۔

حالی ''مقدمہ شعر و شاعری'' کی تصنیف سے قبل ایک شاعر بلکہ اچھے غزل نگار کی حیثیت سے معروف تھے۔ اس لیے وہ غزل کے تمام فنی و جمالیاتی نکات سے بخوبی واقف تھے۔ ان کی نگاہ غزل کی روایت کے عروج و زوال پر بھی تھی اور وہ کلاسیکی شعرا کے کمالات سے آگاہ بھی تھے۔ ان کی نظر میں غزل کی موجودہ صورتِ حال بھی تھی جس میں ابتذال اور رکاکت کی کیفیت پیدا ہوگئی تھی۔ زیادہ تر شعرا رسم پرستی، روایت پرستی اور فرسودہ شعری نظام کو دہرانے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ حالی غزل کی ان ساری تبدیلیوں سے اچھی طرح واقف تھے اور جانتے تھے کہ نئے زمانے کے تقاضوں کے مطابق اگر غزل کی اصلاح نہ ہوئی تو انسانی ذہن کے ساتھ سوسائٹی پر بھی اس کے بہت خراب نتائج مرتب ہوں گے۔ اس لیے حالی نے وقت کے معنوی مزاج کو سمجھ لیا اور سوئی ہوئی قوم کو نئی غزل کا نسخۂ کیمیا تجویز کیا۔

ڈاکٹر عبادت بریلوی کے الفاظ میں:

''غزل کی روایت پر اصلاح غزل کی اس تحریک کے اثرات بڑے گہرے اور ہمہ گیر ہوئے۔ غزل سے قافیہ پیمائی کا خیال رخصت ہوا اور اس کی جگہ حقیقت و واقعیت نے لے لی۔ تقلید جو اب تک غزل میں کسی نہ کسی طرح رونما ہوتی تھی، اس کا خاتمہ ہوا ہے اور اس کی جگہ خلوص اور صداقت کے عناصر رونما ہوئے ہیں۔ اس تحریک کے زیرِ اثر غزل نے حسن و عشق کو اپنا موضوع ضرور بنایا ہے لیکن اس کے مختلف پہلوؤں کی ترجمانی میں ان کی نفسیات کو خاص طور پر اپنے پیشِ نظر رکھا ہے۔ پھر غزل نے اپنے آپ کو حسن و عشق تک ہی محدود نہیں کیا ہے، دوسرے موضوعات کو بھی اپنے دامن میں جگہ دی ہے۔ قومی، ملکی، تہذیبی، اخلاقی تمام موضوعات اس تحریک کے زیرِ اثر غزل میں داخل کیے گئے ہیں اور ان کو پیش کرنے کا انداز غزل ہی کا رہا ہے۔''(۵)

حالی نے ۱۸۷۵ء سے جدید غزل گوئی کا سنگ بنیاد رکھا اور ۱۸۹۳ء میں انھوں نے کہا:

ہو چکے حالؔی غزل خوانی کے دن
راگنی بے وقت کی اب گائیں کیا

حالی کا ایک شعر ہے:

ڈھونڈتا ہے دلِ شوریدہ بہانے مطرب
درد انگیز غزل کوئی نہ گانا ہرگز

ایسی غزلیں سُنی نہ تھیں حالی
یہ نکالی کہاں سے تم نے بیاض

اب سُنو حالؔی کے نغمے عمر بھر
ہو چکا ہنگامۂ مدح و غزل

حقیقت یہ ہے کہ حالی نے اپنے عہد کی روایتی اور رسمی غزل سے بغاوت کی اور اپنے دیوان کی غزلیات میں دشنہ وخنجر، مانگ چوٹی اور دیگر فرسودہ مضامین سے اجتناب کیا۔ اس سے بھی وہ ایک انقلاب پسند، باغی غزل گوشاعر کی حیثیت سے ہمارے سامنے آتے ہیں۔

اے عشق دل کو رکھا دنیا کا اور نہ دیں کا
گھر ہی بگاڑ ڈالا تو نے بنا بنایا

اے عشق تو نے اکثر قوموں کو کھا کے چھوڑا
جس گھر سے سر اٹھایا اس کو مٹا کے چھوڑا

حالؔی کے خیال میں مشرقی تہذیب اور ماحول کے مطابق غزل میں عورتوں کے لوازمات وخصوصیات کا ذکر بھی نہیں کرنا چاہیے۔ کنگھی چوٹی اور اس طرح کے دوسرے مضامین کو ترک کرنا چاہیے۔ اسی طرح خمریات اور اس کے لوازمات وغیرہ کا ذکر بھی مستحسن نہیں ہے۔ رقمطراز ہیں:

> ''غزل میں ایسے الفاظ استعمال کرنے جو عورتوں کے لوازمات اور خصوصیات پر دلالت کریں، اس قوم کی حالت کے بالکل نا مناسب ہیں...... کنگھی چوٹی کے مضامین کو ترک کر دینا چاہیے...... اسی طرح خمریات یعنی شراب اور اس کے لوازمات کا ذکر نیز فقہا و زہاد اور تمام اہل ظاہر پر طعن وتعریض کرنی، اپنے مے خواری وتوبہ شکنی وخرابات نشینی پر فخر کرنا اور اہل شرح اور اہل تقوا کے اعمال واقوال میں عیب نکالے اور اسی قسم کی اور باتیں جو عقل وشرع کے خلاف ہوں، یہ مضامین بھی غزل کے اجزائے غیر منفک قرار پا گئے ہیں'' (۶)

حالؔی یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ عشق ومحبت کی چاشنی غزل کو دلفریب بناتی ہے، اگر عشقیہ مضامین نکال دیے جائیں تو غزل بے اثر ہو جائے گی لیکن عشقیہ مضامین اسی وقت مؤثر ہو سکتے ہیں، جب فی الواقع شاعر پر وہ کیفیت گزری ہو جس کا وہ ذکر کر رہا ہے۔ تقلیداً عاشقانہ شعر کہنا ایسا ہی ہے جیسے ایک بھانڈ مجنوں وفرہاد کی نقل بنائے۔ اسی طرح حالی قطعی طور پر اس حق میں نہیں ہیں کہ مطلوب ومحبوب شخصیت کی جنس کا تعین کرنے والے الفاظ استعمال کیے جائیں۔

> ''غزل میں عشق ومحبت کی چاشنی نہ دی جائے تو حالت موجودہ میں اس کا سرسبز اور مقبول ہونا ایسا ہی مشکل ہے جیسا شراب میں سرکہ بن جانے کے بعد، سرور قائم رہنا......اسی لیے غزل

میں جو عشقیہ مضامین باندھے جائیں وہ ایسے جامع الفاظ میں ادا کیے جائیں جو دوستی اور محبت کی تمام انواع و اقسام اور تمام جسمانی اور روحانی تعلقات پر حاوی ہوں اور جہاں تک ہو سکے کوئی لفظ ایسا نہ آنے پائے جس سے کھلم کھلا مطلوب کا مرد یا عورت ہونا پایا جائے۔"(۷)

حالؔی کا خیال ہے کہ غزل کے مضامین اور خیال کو جہاں تک ممکن ہو وسعت دینی چاہیے کیونکہ ایک ہی قسم کے مضامین سنتے سنتے خواہ وہ کتنے ہی اچھے ہوں، شعر سے رغبت کے بجائے نفرت ہو جاتی ہے۔ اس سلسلے میں وہ قومی و وطنی جذبات اور تصوف کے مسائل کے علاوہ دوسری زبانوں کے شعری تصورات سے بھی فیض اٹھانے کی بات کرتے ہیں:

"عشق و عاشقی کے مضامین اقبال مندی کے زمانے میں زیبا تھے۔ اب وہ وقت گیا...... قومی و وطنی جذبات اور تصوف کو غزل میں جگہ دی جائے...... غزل کو بہ اعتبار مضامین اور خیالات کے جہاں تک ممکن ہو وسعت دینی چاہیے...... جس قوم اور جس زبان کے خیالات ہم کو پہنچیں ان سے جہاں تک ممکن ہو فائدہ اٹھائیں اور صرف انہیں فرسودہ اور بوسیدہ خیالات پر جو صدیوں سے برابر بندھتے چلے آتے ہیں قناعت کر کے نہ بیٹھ رہیں۔"(۸)

حالؔی کو غزل کے مضامین کی طرح اس کی زبان سے بھی شکایت تھی۔ ان کے خیال میں ایک ہی طرح کے مضامین کو کثرت کے ساتھ دہرانے کی وجہ سے اس کی زبان بھی بے مزہ اور باسی ہوگئی ہے ایک ہی طرح کے الفاظ تواتر کے ساتھ اتنی دفعہ دہرائے گئے ہیں کہ اب دوسرے الفاظ غیر مانوس اور اجنبی لگتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

"جس طرح ہماری غزل کے مضامین محدود ہیں، اسی طرح اس کی زبان بھی ایک خاص دائرے سے باہر نہیں نکل سکتی کیوں کہ چند معمولی مضمون جب صدیوں تک برابر رٹے جاتے ہیں تو زبان کا ایک خاص حصّہ ان کے ساتھ مخصوص ہو جاتا ہے...... یہاں تک کہ اگر ان الفاظ کی جگہ دوسرے الفاظ جو انھی کے ہم معنی ہوں، استعمال کیے جائیں تو غریب اور اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔"(۹)

حالی نے صنائع بدائع کے استعمال پر اعتراض کیا ہے۔ ان کے خیال میں صنائع بدائع یعنی معنوی ولفظی صنعتوں کے غیر فطری استعمال سے شعر کا حسن اور اس کی تاثیر زائل ہو جاتی ہے۔ اس لیے جہاں تک ممکن ہو اس سے اجتناب برتا جائے۔ اگر صنائع بدائع فطری طور پر شعر میں آ جائیں جن سے معنی میں کوئی خلل پیدا نہ ہو اور شعر کا حسن بھی بڑھ جائے تو ایسے موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیے۔ اسی طرح مناسبت لفظی شاعری کا زیور ہے مگر قصداً رعایتوں کی جستجو کرنے سے شاعری میں مسخرا پن پیدا ہو جاتا ہے۔ لفظی صنعتوں کا بے جا استعمال گورکھ دھندے کے علاوہ کچھ نہیں۔ حالی کے خیال میں:

"صنعت الفاظ نے ہماری شاعری بلکہ ہمارے لٹریچر کو بے انتہا صدمہ پہنچایا ہے...... ہمارے لٹریچر میں صنائع لفظی کی لے بڑھتے بڑھتے آخر کار محض الفاظ پرستی باقی رہ گئی اور معنی کا خیال

بالکل جاتا رہا...... صنائع بدائع پر غزل کی بنیاد رکھنے سے اکثر معنی کا سر رشتہ ہاتھ سے جاتا رہتا ہے۔ کلام میں اثر باقی نہیں رہتا۔''(۱۰)

جہاں تک قافیے کا سوال ہے تو اس سلسلے میں مشرقی علمائے ادب کے مابین اختلاف رہا ہے۔ کچھ لوگ قافیے کو شعر کے لیے مستحسن مانتے ہیں تو کچھ مضر، لیکن ناقدین کی اکثریت اس کے حق میں ہے۔ حالی کے نزدیک شعر کے لیے قافیہ ضروری نہیں۔ وہ قافیے کے التزام کو شعر کے فطری بہاؤ اور ادائے مطلب میں سدراہ سمجھتے ہوئے شعر کی ماہیئت سے وزن کے ساتھ قافیے کو بھی خارج گردانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

''قافیہ بھی ہمارے ہاں شعر کے لیے ایسا ہی ضروری سمجھا گیا ہے جیسے کہ ''شعر'' مگر درحقیقت وہ بھی نظم ہی کے لیے ضروری ہے نہ کہ شعر کے لیے ...... یونانیوں کے ہاں قافیہ بھی وزن مثل وزن کے ضروری نہ تھا...... یورپ میں بھی آج کل بلینک ورس یعنی غیر مقفیٰ نظم کا بنسبت مقفیٰ کے زیادہ رواج ہے ...... جس طرح صنائع لفظی کی پابندی معنی کا خون کر دیتی ہے۔ اسی طرح بلکہ اس سے بہت زیادہ قافیہ کی قید ادائے مطلب میں خلل انداز ہوتی ہے...... پس درحقیقت شاعر خود کوئی خیال باندھتا بلکہ قافیہ جس خیال کے باندھنے کی اسے اجازت دیتا ہے اس کو باندھ دیتا ہے ...... سچ یہ ہے کہ شعر کو زیادہ خوش نما بنانے کے لیے اس میں ایک ایسی قید لگائی جس سے شعر کی اصلیت باقی نہ رہے...... الغرض وزن اور قافیہ جس پر ہماری شاعری کا دارو مدار ہے اور جس کے بغیر اس میں کوئی خصوصیت ایسی نہیں پائی جاتی جس کے سبب سے شعر کا اطلاق کیا جا سکے یہ دونوں شعر کی ماہیئت سے خارج ہیں۔''(۱۱)

اس طرح حالی نے شاعری کے لیے وزن اور قافیے کی پابندی کو ضروری نہیں سمجھا ساتھ ہی ساتھ ردیف کو بھی ایک اضافی چیز مانتے ہوئے غیر مردف غزلیں کہنے کا مشورہ دیتے ہیں وہ مردف غزلیں لکھنے کے حق میں ہی نہیں تھے:

''مردف غزلیں کم لکھی جائیں کیونکہ ردیف و قافیہ میں الجھ کر غزل محض صناعی بن کر رہ جاتی ہے، اصل جذبات کی ترجمانی نہیں ہوتی...... ہمارے یہاں اس پر طرہ یہ ہے کہ قافیے کے پیچھے ایک ردیف کا دم چھلا اور لگا دیا جاتا ہے۔ اگرچہ ردیف ایسی ضروری نہیں سمجھی جاتی جیسا قافیہ سمجھا جاتا ہے، لیکن غزل میں اور خاص کر اردو غزل میں تو اس کو وہی رتبہ دیا گیا ہے جو قافیے کو۔ اگر تمام اردو دیوانوں میں غیر مردف غزلیں تلاش کی جائیں تو ایسی غزلیں شاید گنتی کی نکلیں۔ پس جب کہ ردیف اور قافیے کی گھاٹی خود دشوار گزار ہے تو اس کو اور زیادہ کٹھن اور ناقابل گذر بنانا انہیں لوگوں کا کام ہو سکتا ہے جو معنی سے کچھ سروکار نہیں رکھتے اور شاعری کا مآل محض قافیہ پیمائی سمجھتے ہیں۔''(۱۲)

جو بھی شخص مشرقی روایت شعر سے آگہی رکھتا ہے اسے معلوم ہے کہ مشرق میں شعر کے لیے وزن کا ہونا

لازمی ہے لیکن حالی نے اس سلسلے میں مشرقی روایت سے انحراف کرتے ہوئے اسے ''ضروری'' کے دائرے سے نکال کر ''مستحسن'' کے زمرے میں رکھ دیا ہے:

> ''شعر کے لیے وزن ایک ایسی چیز ہے جیسے راگ کے لیے بول، جس طرح راگنی فی حد ذاتہ الفاظ کا محتاج نہیں۔ اسی طرح نفس شعر وزن کا محتاج نہیں۔ اس موقع پر جیسے انگریزی میں دو لفظ مستعمل ہیں: ایک پوئٹری اور دوسرا ورس، اسی طرح ہمارے ہاں بھی دو لفظ استعمال میں آتے ہیں: ایک شعر اور دوسرا نظم۔ جس طرح ان کے ہاں وزن کی شرط پوئٹری کے لیے نہیں، بلکہ ورس کے لیے ہے، اسی طرح ہمارے ہاں بھی یہ شرط شعر میں نہیں بلکہ نظم میں معتبر ہونی چاہیے۔''(۱۳)

اردو غزل کی روایت میں سنگلاخ زمینوں میں شعر کہنے کا رواج ابتدائی زمانے ہی سے دکھائی دیتا ہے۔ مصحفی اور انشا نے اسے اور زیادہ ہوا دی۔ اس لیے لکھنوی شعرا کے یہاں سنگلاخ زمینوں میں بے شمار غزلیں ملتی ہیں۔ البتہ دہلوی شعرا جیسے، میرؔ، سوداؔ، جراتؔ، دردؔ، اثرؔ، غالبؔ، مومنؔ اور شیفتہؔ وغیرہ نے ایسی زمینیں کم اختیار کی ہیں۔ حالی کے خیال میں قافیہ اور ردیف ہی بعض اوقات غزل کی زمین کو دشوار بنا دیتے ہیں۔ بعض شعرا معنی سے سروکار رکھے بغیر محض قافیہ پیمائی کے لیے شعر کہتے ہیں اور سنگلاخ زمینیں اختیار کرتے ہیں تو مزید دشواریاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ حالی کے مطابق:

> ''سنگلاخ زمینوں میں اس کے سوا اور کچھ مقصود نہیں ہوتا کہ دو بے میل چیزوں میں میل ثابت کیا جائے۔ پس شاعر کو چاہیے کہ ہمیشہ ردیف ایسی اختیار کرے جو قافیہ سے میل کھاتی ہو اور ردیف و قافیہ مل کر دو مختصر کلموں سے زیادہ نہ ہوں بلکہ رفتہ رفتہ مردف غزلیں لکھنی کم کرنی چاہیے اور سردست محض قافیے پر قناعت کرنی چاہیے۔''(۱۴)

حالی غزل کی جادوئی کیفیت، رمز و ایجاز سے ہمیشہ متاثر رہے۔ وہ غزل کو روایتی اور رسمی عناصر سے آزاد کروانا چاہتے تھے اور موضوعات کے شیشوں سے غزل کا ایسا شیش محل تعمیر کرنا چاہتے تھے جہاں حقیقی واقعات کا عکس واضح نظر آئے یہی وجہ تھی کہ حالی کی غزل سے زیادہ ان کے ''مقدمہ شعر و شاعری'' کا اثر ہوا۔ مقدمہ نے اردو شاعری کی دنیا بدل دی۔

غرض حالیؔ اور آزادؔ کی کوششوں سے نئے ادبی رجحانات کو فروغ حاصل ہوا۔ حالی کے ان شعری پیمانوں نے غزل کی دنیا بدل دی۔ حالی نے شاعری میں نئی روح پھونک دی۔ یہیں سے اس دور کی بنا پڑی جس کا عہد حاضر بھی ممنون ہے۔ شاعری میں ایک ایسا انقلاب آیا کہ اردو کا شاعر حسن کی رسمی دنیا سے الگ ہو کر حقیقت پسندی کی طرف مائل ہوا۔ اب غزل میں حقیقت و اصلیت اور صداقت و واقعیت کی تلاش کی جانے لگی اور ندرت و تازگی پر پہلے سے زیادہ زور دیا جانے لگا اور غزل کا فن ایک نئی معنویت اور نئی بلاغت سے ہمکنار ہو کر بیسویں صدی کے ذوق سے زیادہ ہم آہنگ ہو گیا۔

حوالہ جات وحواشی :

(۱) کلیم الدین احمد۔ **اردو تنقید پر ایک نظر**۔ اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۱۲ء۔ ص ۱۰۲
(۲) ایضاً۔ ص ۱۰۳
(۳) مولوی عبدالحق۔ مرتب؛ **مقالاتِ حالی**۔ جلد ا، اورنگ آباد: انجمن ترقی اردو، ۱۹۳۴۔ ص ۲۶۵
(۴) ایضاً۔ ص ۲۶۷
(۵) ڈاکٹر عبادت بریلوی۔ **غزل اور مطالعہ غزل**۔ علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۰۵ء۔ ص ۴۰۷
(۶) مولانا الطاف حسین حالی۔ **مقدمہ شعر و شاعری**۔ لاہور: مکتبہ کارواں، ۱۹۶۰ء۔ ص ۱۳۲
(۷) ایضاً۔ ص ۱۳۱
(۸) ایضاً۔ ص ۱۳۴
(۹) ایضاً۔ ص ۱۵۴
(۱۰) ایضاً۔ ص ۱۷۵
(۱۱) ایضاً۔ ص ۴۴
(۱۲) ایضاً۔ ص ۱۸۵
(۱۳) ایضاً۔ ص ۴۷
(۱۴) ایضاً۔ ص ۱۸۴

○○○